قرآنی نصوص کی عقلی تفہیم کے چند عصری رجحانات کا مطالعہ

(Some Contemporary Trends of Rational Understanding of the *Qurānic* Text: A Critical Evaluation)

*احمد دلپذیر

** ڈاکٹر ظہور اللہ الازہری

Abstract

Orthodox and liberal understanding of the *Qurānic* text are the two important trends of *Qurānic* exegesis in present times. In the liberal way of interpretation classical Muslim thinkers tried to counter the challenges and impacts of Greece Philosophy. In the present scenario these kinds of interpretation are popular in modern educated Muslims. These kinds of efforts were declared erroneous understanding by the main stream Muslims in early ages as well as in the present era. Many so called Muslim scholars while interpreting *Qurānic* text neglect the *Aḥādīth* and interpretations of the traditional scholars. This paper attempts to know the liberal trends of comprehensions and to analyze their approaches.

Keywords: *Aḥādīth*, Divine Revelation, Intellect, interpretation, liberal, *Qurānic* text.

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب ہے جس کی نصوص فہمی کے کئی رجحانات سامنے آئے۔ ان میں سے ماثور تفسیر قرآن کو اولیت حاصل ہے۔ فہم قرآن سے مسلمانوں کے قلوب و اذہان کی استعداد میں وسعت آئی اور اسلام کی حقانیت نے عجمی علاقوں میں اثر ڈالا تو مختلف تحدیات کا مقابلے پر اہل علم نے قرآن سے وابستگی بڑھادی۔ جس سے تفاسیر بالرائے میں لغوی اور عقلی اسالیب متعارف ہوئے۔ صوفیائے کرام نے روحانی تشنگی دور کرنے کیلئے فہم قرآن کا سہارا لیا جس سے اشاری تفسیر معرض وجود میں آئی لیکن یہ باطنی فرقہ پرستانہ فہم نص کی بجائے عقائد اہل سنت و جماعت کے مطابق ہونے پہ ہی مقبول رہی ہیں۔

*پی ایچ ڈی سکالر، دی یونیورسٹی آف لاہور

**ایسوسی ایٹ پروفیسر، دی یونیورسٹی آف لاہور

فہم نص کے سنی رجحانات کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ اور شدت پسندانہ رجحانات بھی ابتداء سے چلے آرہے ہیں۔ عصر حاضر میں ماضی کے تسلسل میں تجدد پسندانہ ،انکار حدیث اور قادیانیت کے باطل رجحانات بھی شامل ہو گئے ہیں۔ نیز عصر حاضر کی علمی وسائنسی ترقی کی وجہ سے قرآن فہمی کے کونی اور سائنسی مطالعے کی طرف بھی توجہ مبذول ہو گئی ہے۔ زیر نظر سطور میں ان رجحانات کے تاریخی و معاصری مطالعے سے پیدا ہونے والے مسائل کی نشاندہی اور حل پہ سوچ بچار کی گئی ہے۔

قرآن کریم کی بعض آیات بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔ قرآن کریم سے ہی قرآن کریم کی تفسیر اور نبی اکرم ﷺ کی بتائی گئی آیات کریمہ کی تفہیمات ہر دور میں فہم نص کے مستند اور معیاری ذرائع مانے گئے ہیں۔ ان سمیت عہد اول میں حضرات صحابہ کرام اپنے اجتہاد واستنباط اور اہل کتاب سے اسرائیلیات کے نام سے لی گئی تعبیرات کے ذریعے قرآن مجید کی تفسیر کے لیے چار مصادر پر تکیہ کرتے تھے۔[1] تدوین تفسیر کے دور میں انہی بنیادی مآخذ سے کی گئی تفاسیر کو مقبولیت حاصل ہوئی۔

فہم نص کے ان بنیادی مآخذ سے کی گئی تفاسیر ماثور تفاسیر کہلاتی ہیں جن میں جامع البیان فی تفسیر القرآن از محمد بن جریر طبری (م۳۱۰ھ)، تفسیر بحر العلوم از ابو لیث سمرقندی(م۳۷۵ھ)،الکشف و البیان عن تفسیر القرآن از ثعلبی نیشاپوری (م۴۲۷ھ)،معالم التنزیل از بغوی (م۵۱۰ھ)،المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز از ابن عطیہ اندلسی(م۵۴۶ھ)، تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیر (م۷۷۴ھ)،الجواہر الحسان فی تفسیر القرآن از ثعالبی جزائری (م۸۷۶ھ)اور الدر المنثور فی التفسیر الماثور از امام سیوطی (م۹۱۱ھ) کی تفاسیر متداول ہیں۔

عربی زبان میں نازل کردہ قرآن مجید تمام انسانیت کی رہنمائی کیلئے اتارا گیا تھا۔اسی لیے جب جزیرۃالعرب کے باہر اسلام کی کرنیں پھیلیں تو فہم نص کیلئے عجمیوں کو لغت عرب سیکھنا پڑی۔ اس ضرورت میں سہولت کیلئے علمائے اسلام نے لغت کو تفسیر کا ثانوی ذریعہ تسلیم کیااور اس سے نصوص فہمی کی کامیاب کوششیں کیں۔ ان لغوی وادبی تفاسیر میں مجاز القرآن از ابو عبیدہ معمر (م۲۱۰ھ) ، المفردات ازامام راغب اصفہانی (م۵۰۲ھ) ، الکشاف از زمخشری(م۵۳۸ھ)، البحر المحیط از ابو حیان اندلسی (م۷۴۵ھ) نے بہت نام پیدا کیا۔

---

[1] ڈاکٹر محمد حسین ذہبی،"صدر اول میں تفسیر قرآن کے مصادر۔" ترجمہ۔ڈاکٹر محمد یٰسین،علوم القرآن، شمارہ۔ا(۱۹۸۶ء): ۵۶۔

ا۔ قرآنی نصوص کی عقلی تفہیم کے مقبول و محمود رجحانات

جب فہم قرآن کی مندرجہ بالا ساری ضروریات پوری ہو گئیں تو انسانی عقل کے آزادانہ استعمال کا مرحلہ آیا[2]۔اب یہ عالم تھا کہ یک قطبی عالمی طاقت خلافت عباسیہ کی سرپرستی میں فلسفہ و منطق جیسے عقلی علوم مسلمانوں میں مقبول ہو گئے تھے۔ جس کی بدولت مسلمانوں میں عقلیت پسندانہ افکار کے حامل افراد نے نصوص پر عقل کو ترجیح دینا شروع کر دی تھی۔ایسے لوگوں کی ہدایت کیلئے لغت کے بعد دوسرا ثانوی مآخذ عقل اختیار کیا گیا۔اس کی ضرورت اس لیے بھی پڑی کہ دیگر ادیان کے پیروکاروں سے دینی مباحث میں نقلی روایات سے بات نہیں بن سکتی تھی۔علمائے منقولات نے تفاسیر بالرائے کہہ کر ایسی کاوشوں کی حوصلہ شکنی کرنا چاہی۔لیکن امت مسلمہ کے جمہور نے تفسیر بالرائے محمود کے بغیر چارہ کار نہ سمجھا اور قرار دیا کہ صرف وہ عقل معیار ہے جو سلیم اور تندرست ہو[3]۔بصورت دیگر تفاسیر بالرائے مذموم سمجھی گئیں۔

عقل کی افادیت اس لیے ہے کہ انسانی دل اور شیشے میں اس لحاظ سے مماثلت پائی جاتی ہے کہ خود صاف ہونے کی صورت میں یہ سامنے کی حقیقت کو جوں کا توں بتادیتے ہیں۔اور عقل کی مثال ایک ایسے رسول کی ہے جو باطن میں ہوتا ہے۔[4] مرور زمانہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ فہم نص میں عقل کا کردار اس لیے اہم ہے کہ یہ تصور درست نہیں کہ اسرار و حکم اور حقائق و معارف کے بارے میں انتہا ہو گئی ہے،اور اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے کی گنجائش نہیں ہے[5] لیکن آراء کا محمود و مذموم میں تقسیم کرنا اس لیے ہے کہ آئے روز کے نظریاتی ابعاد میں الہام ربانی وہ ثالث ہے جو عقل کے تمام اختلافات کو ختم کر کے حقیقت واقعہ کو پیش کرتا اور عقلاء کو لغزش سے بچاتا ہے۔[6]

عقل و رائے سے کی گئی چند اہم تفاسیر میں مفاتیح الغیب از امام رازی (م۶۰۶ھ) کو فوقیت حاصل ہے۔اس کے علاوہ انوار التنزیل و اسرار التاویل از بیضاوی (م۶۸۵ھ)، مدارک التنزیل و حقائق التاویل از امام نسفی (م۷۰۱ھ)، لباب التاویل فی معانی التنزیل از خازن (م۷۴۱ھ)، تفسیر جلالین از امام جلال الدین سیوطی وجلال الدین محلّی (۷۹۱ھ)،

---

[2] ڈاکٹر فضل الرحمٰن، اسلام، ترجمہ۔ محمد کاظم (لاہور: مشعل بکس، ۲۰۰۶ء)، ۵۹۔

[3] حکیم محمود احمد ظفر، اسلام کا تصور نبوت (لاہور: تعمیری کتب خانہ، ۱۹۹۹ء)، ۸۵۔

[4] ابوالقاسم الحسین محمد الراغب اصفہانی، الذریعۃ الی مکارم الشریعۃ (بیروت لبنان: دار الکتب الاسلامیۃ، ۱۴۰۰ھ)، ۱۲۴۔

[5] مفتی محمد تقی عثمانی، علوم القرآن (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۳ء)، ۳۴۔

[6] سید احمد سعید کاظمی، مقالات کاظمی، حصہ سوم (ملتان: بزم سعید، جامعہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم، ۱۹۹۹ء)، ص ۷۔

ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم از ابو سعود ، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی از محمود آلوسی (م ۱۲۷۰ھ) اور محاسن التاویل از جمال الدین قاسمی (م ۱۳۳۲ھ) کی تفاسیر قابل ذکر ہیں۔[7]

عقل کے ذریعے فہم نص کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہوتی ہے کہ ایسی محمود تفاسیر میں منقولات پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ اور نتائج بحث میں مسائل کی نشاندہی اور ان کے حل میں اپنی رائے ظاہر کی جاتی ہے۔ جیسے عربی زبان میں محمد مصطفیٰ المراغی (۱۸۸۱ء - ۱۹۴۵ء) اور سید قطب شہید (۱۹۰۳ء - ۱۹۶۶ء) نے علمی انداز سے اپنے اپنے ذوق اور انداز سے عصری ضرورت کے مطابق عقل و فکر سے اور غور و خوض کرکے عمدہ آراء پیش کی ہیں۔

اردو زبان کے تفسیری سرمائے میں بھی عصری مسائل کے حل کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ مفتی شبیر احمد عثمانی قرآنی آیت سورۃ الکہف (۹۴) کی تفسیر کرتے ہوئے یوں رائے دیتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کی قوم عام انسانوں اور جنات کے درمیان کی ایک مخلوق ہے۔ جس کو روکنے کیلئے ذوالقرنین کی تعمیر کردہ آہنی دیوار ممکن ہے کہ آسٹریلیا کے شمال مشرق ساحل پر واقع، سمندر کی وہ دیوار عظیم ہو جہاں سائنسدانوں نے تحقیقاتی کیمپ لگائے رکھے اور اپنی رپورٹ میں انہوں نے بتایا کہ اس پر بے شمار مخلوق بستی ہے۔[8]

عصر حاضر میں آفاقیت کی دعویدار مغربی تہذیب درحقیقت دجالی تہذیب ہے جو مادیت کے علمبرداروں کی عظمت و تقدیس اور ان کی عقیدت واطاعت پر قائم ہے اور اس نے ان کو خدا کی طرح برتر و بالاتر اور لاثانی ولافانی بنانے کی کوشش کی ہے۔[9] اور اس تہذیب کی رہنمائی کرتے ہوئے امریکی سامراج کو نظام شمسی میں دخل اندازی کے منصوبے Haarp سے دجالی طاقت کے حصول کی شدید خواہش ہے۔[10] سید ابوالاعلیٰ مودودی نے نزول مسیح کی کیفیات اور مسیح موعود کے یہودی تصورات کو واضح کرتے ہوئے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ مسیح موعود اور غلط تاویلات کا رد کیا ہے۔ اور نشاۃ ثانیہ کی آرزو مند یہودی و صہیونی ریاست اسرائیل کا مجوزہ نقشہ پیش کیا ہے۔ ساتھ احادیث مبارکہ بیان کرکے نقشے کی مدد سے تل ابیب سے چند میل کے فاصلے پر واقع مسیح دجال کا مقام قتل لد (Lydda) بتایا ہے جہاں یہودیوں نے بہت بڑا ہوائی اڈہ بنا رکھا ہے۔[11] سرد جنگ کے خاتمے پر امریکی یک قطبی نظام میں نیو ورلڈ آرڈر بروئے کار لاتے ہوئے مسلمان ممالک کو ایک ایک کرکے نیست و نابود کیا جا رہا ہے۔ جس میں رہی سہی کسر عرب بہار اور داعش جیسی

[7] غلام احمد حریری، مترجم؛ تاریخ تفسیر و مفسرین (فیصل آباد: ملک سنز پبلشرز، ۱۹۷۸ء)، ۱۴۸۔

[8] علامہ شبیر احمد عثمانی، موضح فرقان معروف بہ تفسیر عثمانی، جلد دوم (کراچی: مکتبہ البشریٰ، ۲۰۰۹ء)، ۶۷۲۔

[9] سید ابوالحسن علی ندوی، معرکہ ایمان ومادیت (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۲ء)، ۷۲۔

[10] زاہد لطیف اور ڈاکٹر طاہر بشارت، "تذکار دجال، اطلاقات واشتباہات۔" القلم لاہور: پنجاب یونیورسٹی، (جون ۲۰۱۱ء): ۷، ۱۴۷ تا ۱۵۲۔

[11] سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن جلد چہارم (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، ۲۰۱۳ء)، ۱۷۸، ۱۶۶۔

تحریکوں نے نکال دی ہے۔ ایسے میں امن عالم کیلئے پاکستان اتحادی ہراول دستے کے طور پر ساٹھ ہزار افراد اور اربوں روپے مالیت کا نقصان برداشت کرچکا ہے لیکن قابل اعتماد پھر بھی نہیں ہو سکا۔

ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فہم نص کیلئے جدید اصول تحقیق کو مدنظر رکھا ہے۔اور ایک ایک آیت کے تحت تحقیقی موضوعات دیے ہیں اور پھر نتائج بحث بتائے ہیں۔ جیسے قرآنی آیت سورۃ البقرۃ (۱۴۶) کی تفسیر کرتے ہوئے آپ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی پہلے سے پہچان، یہودیوں کا آپ ﷺ سے حسد وعناد اور شان محمدی کا بیان نہ کرنا کتمان حق کے نام سے تین تحقیقی موضوعات دیے ہیں۔اور نتیجہ بحث یہ نکالا ہے کہ عصر حاضر میں آپ ﷺ سے یہود کی معاندانہ ذہنیت کی وجہ سے انہیں سمجھانے کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ افادیت۔[12]

میانمار کے مظلومین کی طرح اہل حق کیلئے اپنی وسعت کے باوجود زمین کا تنگ ہونا پہلی بار نہیں۔ مشکلات میں گھرے مہاجرین حبشہ سدھار گئے تو انہیں چین کا سانس نہ لینے دیا گیا۔قریش مکہ نے حکومت حبشہ سے انہیں اپنے مجرم کے طور پر حوالگی کا مطالبہ کیا۔ان مشکل حالات میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کی نصوص فہمی سے قریش کی سفارت کاری ناکام ہو گئی اور نجاشی نے انہیں امان دے دی۔[13] عصر حاضر میں بھی ہر شعبے میں ایسے رجال کی ضرورت ہے جو فہم نصوص کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ہر طرح کی مشکلات میں بہتر رائے دے سکیں۔ بصورت دیگر مسلمانوں میں چند گروہ ایسے پیدا ہو چکے ہیں جو جدید نظریات اپنا کر مرعوبانہ انداز سے اس کی وکالت کرنے لگے ہیں۔

عصر حاضر میں اسلامی تحقیق کی ضرورت اس لیے بھی زیادہ محسوس کی جاتی ہے کہ سائنسی اور طبّی انکشافات سے آگاہی، ملکی قوانین کی تیاری اور استعمال کرتے ہوئے مختلف الفاظ و اصطلاحات کے مفاہیم جانا جائے نیز مستشرقین کی کوششوں کی پرکھ کی جائے، مغربی تہذیب کی برتری کا جواب تلاش کیا جائے اور اسلام کا پیغام پہنچایا جائے۔[14] اب ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ جدید نظریات اور تحدیات کا مطالعہ کرکے نصوص کی مدد سے مصادر اسلام کی روشنی میں تطہیر فکر کریں۔جس کے اگلے مرحلے میں تعمیر فکر کا مقصد آئے گا جس سے اسلامی فکر پروان چڑھے گی۔[15] مسلم فکر زوال کا شکار ہے، حالانکہ فلسفہ یونان اور جدید فلسفہ کی درمیانی کڑی یہی ہے۔

ابن رشد الحفید فلسفے میں مغرب کے استاد ہیں اور ان سے سیکھ کر مغرب نے اپنی فکر پروان چڑھائی ہے۔اسلامی فلسفہ، یونان کی نسبت فلسفہ حال سے زیادہ قریب ہے اس لیے ہمارے علماء کو فلسفہ قدیم کے مقابلے میں فلسفہ حال کی زیادہ

---

[12] ڈاکٹر محمد طاہر القادری، تفسیر منہاج القرآن (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، ۲۰۰۹ء)، ۱۱۵۔

[13] عماد الدین ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ترجمہ۔پروفیسر کوکب شادانی (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۷ء)، ۱۳۳۔

[14] ڈاکٹر محمد اکرم رانا، اسلامی اصول تحقیق (ملتان: بیکن بکس، ۲۰۱۵ء)، ۲۷تا۳۱۔

[15] ڈاکٹر محمود احمد غازی، ادب القاضی (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۳ء)، ۱۶تا۱۸۔

ہمدردی کرنی چاہیے۔[16] مسلم فکر و فلسفہ کے زوال کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ علمائے اسلام ابن رشد سے پہلے کی فکر پر ایسے ٹھہر گئے ہیں کہ جمود کی فضاء طاری ہے۔ جبکہ مغرب فکری طور پر تسلسل سے آگے بڑھ رہا ہے اور رکنے کا نام نہیں لے رہا۔

اسلامی تناظر میں ہدایت بنیادی طور پر پانچ اقسام فطری، حسی، عقلی، قلبی اور ہدایت ربانی پر مشتمل ہے۔[17] یعنی وہبی، فطری اور ہدایت بالوحی کے بعد حواس خمسہ اور عقل علم کے مصادر ہیں۔[18] جب کہ مغرب کے بڑھتے قدموں یعنی جدیدیت، نوجدیدیت اور ماورائے نوجدیدیت ادوار کی بنیاد محدود اور قابل یقین تصور علم پر ہے جو حسی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔[19] جدیدیت میں فکری ارتقاء کی ایک مثال حقوق نسواں کی تحریک ہے جس نے مرد و زن کی مساوات سے خاندانی نظام پر برے اثرات مرتب کئے ہیں۔

مغرب اپنی تہذیب کو بچانے کیلئے عدالتی و قانونی ذرائع سے روشن خیال اور آزادی کے حق سے پسپائی کررہا ہے کیونکہ مغرب میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے جس سے مسلمان اسلامی تہذیب کی علامات مثلاً خواتین کے پردے کو یورپ میں اپنانا چاہتے ہیں۔ اس خوف کی لہر کے تدارک کے لیے نو منتخب امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ جیسے لوگ یک قطبی نظام میں آگے آرہے ہیں۔ حالانکہ مغربی کثیر ثقافتی معاشروں کی علامات مغربی لباس، آزاد ثقافت اور روشن خیالی جیسے تہذیبی و معاشرتی مسائل ہمارے ہاں جنم لے رہے ہیں۔ جن کے تدارک کیلئے اقدامات کو مغرب بنیاد پرستی اور دقیانوسیت تصور کرکے مطعون کرتا ہے۔

اسلامی فکر کے زوال کے وقت سے صوفیاء کرام نے اسے سنبھال رکھا ہے۔ اس سلسلے میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے اہم خدمات سرانجام دیں۔ جن سے غلط فہمیاں جنم لینے لگیں تو مجدد الف ثانی آگے بڑھے۔ انہوں نے اصلاح تصوف کا بیڑا اٹھایا۔ تصوف ایک ایسا شعبہ دین ہے جس میں اصلاح فکر کا تسلسل جاری رہتا ہے۔ اس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ یہ ملاوٹ برداشت نہیں کرتی کیونکہ گدلا پن ہر جگہ قابل مذمت ہے۔ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اصولی مسائل میں صوفیا کے عقائد اسلاف اور اہل سنت کے مطابق ہیں۔[20] اسی لیے فکری میراث کے اس تسلسل کو جمہور امت میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

---

[16] علامہ شبلی نعمانی، مقالات شبلیجلد ہفتم، مرتبہ۔ سید سلیمان ندوی (لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۸۹ء)، ۳۷۔

[17] ڈاکٹر محمد طاہر القادری، اسلام اور جدید سائنس (لاہور: منہاج القرآن پبلیکیشنز، ۲۰۰۱ء)، ۵۴۶۔

[18] حکیم محمود احمد ظفر، اسلام کا تصور نبوت (لاہور: تعمیری کتب خانہ، ۱۹۹۹ء)، ۶۷۔

[19] ڈاکٹر انیس احمد، "جنسی تعلیم انسانی اقدار کے تناظر میں۔" ترجمان القرآن، شمارہ۔۶ (۲۰۱۲ء)، ۶۲۔

[20] عبدالکریم بن ھوازن قشیری، الرسالۃ القشیریہ، ترجمہ۔ محمد عبدالنصیر علوی (لاہور: مکتبہ رحمانیہ)، ۴۵، ۴۱۶۔

شیخ سہر وردی کے بقول اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس شے کی آفرینش فرمائی وہ ایک جوہر تابناک تھا اور اسے عقل سے موسوم فرمایا، اس گوہر کو اس نے تین صفات سے متصف فرمایا حق کی شناخت، خود شناسی اور عدم کے بعد وجود کی شناخت۔[21] باطنی پاکیزگی اور وصل کی آرزو لیے فہم قرآن کیلئے کوشاں صوفیانہ تفسیر میں الفاظ نصوص سے تعارض نہیں کیا جاتا۔ بعض روایات یا آثار میں علم اعتبار کی اصل ملتی ہے۔ اس لئے اسے صوفیاء کی بدعت قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔[22] نصوص فہمی کے اس سنی رجحان سے اسلامی فکر و فلسفہ کو ابھرنے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ دور انحطاط میں بھی سنی صوفیاء نے فلسفہ میں دلچسپی قائم رکھی ہے جب کہ شیعہ میں اعتزال اور فلسفہ کی میراث کو تھامے ہوئے مفکرین دکھائی دیتے رہے ہیں۔ امام غزالی نے فلسفہ، کلام، سنیت اور تصوف کو یکجان کرنے کی کوشش کی تھی۔ سلوک وطریقت باطنی علم ہے جسے ظاہر کی آنکھ سے دیکھنا مشکل امر ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تصوف باطنیت کا کوئی رنگ ہے بلکہ تفسیر اشاری کی بنیاد آثار میں دکھائی دیتی ہے جیسا کہ کنور یوسف کہتے ہیں:

> دیگر تفسیری مناہج کی طرح تفسیر بالاشارہ بھی عملاً وجود میں پہلے آئی اور نام نیز تعریف بعد میں حاصل کی۔ سہل تستریؒ (م ۲۸۳ھ) کی تفسیر اس کا ایک اولین نمونہ فراہم کرتی ہے۔ پھر اس طرز تفسیر کو اختیار کرنے والوں نے اس کا تجزیہ و تعریف پیش کی اور اس کے حق بہ جانب ہونے کے دلائل پیش کیے، جن میں اس صنف کا صحابہ کرامؓ نیز آنحضرت ﷺ کے تفسیری اقوال میں شامل ہونا دکھایا گیا۔[23]

ب۔ خوارج کا قرآنی نصوص کی عقلی تفہیم کا متشدد رجحان

تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کی شہادت سے امت مسلمہ میں فرقہ وارانہ رجحانات پنپنے لگے۔ خوارج امت مسلمہ سے کٹ گئے۔ جن کے نقش قدم پہ آج بھی دہشت گرد گروہ سرگرم عمل ہیں۔ حدیث نبویؐ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ خوارج کا فکری آغاز عہد رسالت مآب ﷺ میں ہوا، فکر خوارج کی عملی تشکیل عہد عثمانیؓ میں عمل میں آئی اور عہد علویؓ میں خوارج کی باقاعدہ تحریک کا آغاز ہوا۔[24] بنو امیہ نے شہادت عثمانؓ کے بدلے کیلئے قانون کو ہاتھ میں لے لیا۔ خلیفہ برحق سیدنا علی المرتضیٰؓ نے حزب اختلاف کو خلافت راشدہ کے مرکزی دھارے میں لاکے مسائل حل کرنے کی بہت کوششیں کیں۔ لیکن باہمی لڑائیوں میں خون مسلم کا بہنے کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہوا۔

---

[21] شیخ شہاب الدین مقتول سہروردی، چہار رسالہ شیخ الاشراق، ترجمہ۔ کمال محمد حبیب اور ارشاد احمد (لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۲ء)، ۴۴۔

[22] محمد فاروق خان، "قرآن مجید کی معنوی تفسیر۔" علوم القرآن، شمارہ۔ ۲ (۱۹۸۵ء)، ۱۹۔

[23] کنور، محمد یوسف امین، "دور حاضر میں تفسیر بالاشارہ"، علوم القرآن، شمارہ۔ ۱ (۲۰۰۴ء)، ۱۹۹۔

[24] ڈاکٹر محمد طاہر القادری، فروغ امن کا قومی نصاب (لاہور: تحریک منہاج القرآن، ۲۰۱۵ء)، ۹۰۔

یہ شدت پسند پہلے حضرت علیؓ کے لشکر میں تھے جو مائل بشکست حزب اختلاف کی تحکیم قرآن والی سیاسی چال میں آ گئے۔ تحکیم قرآن پر زور دیتے ہوئے انہوں نے لڑائی کا نتیجہ نہ نکلنے دیا۔ فکری طور پہ وہ مات کھا گئے کہ نصوص تحکیم کی تفہیم کیسے کی جائے گی اور اس کو لاگو کیسے کیا جائے گا۔ جس کے نتیجے میں ثالثوں کے فیصلے پر معترض ہو کر وہ آپؓ کے مقابل آگئے۔انہوں نے فریقین کو گناہگار سمجھا اور اپنی نصوص فہمی کی وجہ سے اس انتہاپسند فرقے کا کہنا تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب مسلمان نہیں رہتا۔ چنانچہ انہوں نے خلافت علی منہاج نبوت اور امت مسلمہ کے خلاف اعلان جہاد کر دیا۔ جس سے اسلامی معاشرے میں دہشت کی ایک فضا قائم ہو گئی۔ تاریخ اسلام کی اس ابتدائی تفریق کا نکتہ بتاتے ہوئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن کہتے ہیں:

> اسلام میں جو پہلا سوال اٹھایا گیا یہ تھا کہ کیا ایک مسلمان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہونے کے بعد مسلمان رہتاہے یا نہیں؟ یا یہ کہ صرف ایمان ہی کافی ہے؟ یا یہ ایمان اعمال میں بھی ظاہر ہونا چاہیے؟ انتہاپسند فرقے خوارج کا کہنا تھا کہ گناکبیرہ کا مرتکب مسلمان نہیں رہتا۔ چنانچہ انہوں نے حکومت وقت اور مسلم امت کی طرف اپنے پرجوش جہاد کا رخ پھیر دیا۔ اس غیر معمولی اور انتہا پسندانہ مثالیت کی خاطر جسے انہوں نے غیر مصالحانہ اور بے لچک کٹرپن کے ساتھ ملادیا۔ ان قبائلی لوگوں کا جو عراق اور ایران میں کافی طاقتور تھے نعرہ یہی تھا کہ ان الحکم الااللہ، فیصلہ کرنے کا اختیار صرف خدا کو ہے۔[25]

یہ سوال جب شدت پسندی کے سنگین کی نوک پر آگیا تو اس سے اسلامی معاشرے میں دہشت کی ایک فضا قائم ہو گئی۔ اس دہشت گردی کی تاریخ کو اغیار مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے جوڑتے ہیں اور اس رخ کو اجاگر کرکے اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تحکیم کے مسئلے پر نظریہ سازی کے بعد خوارج نے مزید نظریات اختیار کیے اور ان کیلئے نصوص قرآنیہ کا سہارا لیا۔ ان حالات سے نبردآزمائی مرد بحران شیر خدا کا قلب وجگر ہی کر سکتا تھا۔ اور عصر حاضر میں مسلمان اللہ کی غیبی مدد کے منتظر ہیں ورنہ سیاستدان امت کا حال روز بروز دگرگوں کر رہے ہیں۔ ظفر علی خان بجا کہتے ہیں:

یہ مہدی کی آمد کے ساماں ہیں سارے پیغمبرؐ کے وعدے قریب آرہے ہیں[26]

مسلمانوں کی اہل بیت سے عقیدت تھی۔ سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کا سانحہ پیش آیا تو رائے عامہ بنوامیہ کے خلاف ہو گئی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے ان حالات میں خروج مناسب سمجھا۔لیکن ان کی شہادت کی وجہ سے اہل سنت حکمرانوں کو اقتدار کا خطرہ دلائے بغیر ان کی اصلاح پہ زور دینے لگے جیسا کہ امام احمد بن حنبل اور شیخ احمد سرہندی جیسے مجددین نے اپنے اپنے دور میں یہ کردار ادا کیا۔ حسن بن صباح کے اسمٰعیلی فدائین قلعہ الموت میں حرورہ کے خوارج کا

---

[25] فضل الرحمٰن، اسلام، ۱۱۷

[26] ظفر علی خان، بہارستان (لاہور: اردو اقبال اکیڈمی، ۱۹۳۷ء)، ۲۶۲۔

کردار ادا کرنے لگے۔انہوں نے مسلم سلاطین نظام الملک طوسی اور صلاح الدین ایوبی کو منظر سے ہٹانے کی اسی طرح کوششیں کیں جیسا کہ ان کے پیشرو خوارج نے سیدنا علی المرتضیٰؓ کو شہید کیا تھا۔ حتیٰ کہ تاتاریوں نے ان کی کمین گاہیں تباہ کر دیں۔

مائل بزوال مسلم بر صغیر میں شاہ ولی اللہ نے بدلتے حالات میں احمد شاہ ابدالی کو افغانستان سے مرہٹوں کی سرکوبی کیلئے بلایا۔ جس کے بعد ضرورت کے تحت علماء کی سوچ بدلی۔ امہ کی مرکزیت کا خاتمہ دیکھتے ہوئے مہدی سوڈانی، حسن البناء، سید مودودی اور سعید الزمان نورسی نے غلامی اور اس کے مابعد اثرات میں قائدانہ کردار ادا کرنے سے مزاحمت کی ٹھانی۔اسلامی نظام سیاست کی تشکیل اور اسلامی پارٹیوں کی تشکیل اس لیے بھی ضروری سمجھی گئی کہ مغربیت سے مرعوب جدیدیت پسندوں کیلئے میدان خالی نہ رہ جائے۔

یک قطبی نظام میں نیو ورلڈ آرڈر کی روشنی میں الجزائر کے اسلامک سالویشن فرنٹ کو جمہوری راستہ نہ دیا گیا تو یہ تنظیم عسکریت پسندی کی طرف چلی گئی۔اسی طرح پاکستان کی تزویراتی گہرائی اسلامی نظریاتی افغانستان میں نظر آتی تھی نہ کہ پختون قوم پرستی میں۔ لیکن نائن الیون کے بعد افغانستان کی اسلامی حکومت کے خاتمے پہ تحریک طالبان پاکستان نے خود کش حملوں سے سامراجی اتحادی پاکستان سے بدلہ چکانا چاہا۔اسی طرح بوکو حرام اور داعش جیسی تنظیموں نے جمہوری اسلامی تحریکوں کو پس منظر میں دھکیل دیا ہے۔ جس سے اسلام کے بارے میں تلوار، تشدد اور تعصب کے حامل ہونے کا منفی پروپیگنڈا عام ہوا ہے۔

مسلم ممالک ترقی کی بجائے انسداد تخریب میں اپنی توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔عرب بہار جیسی انقلابی اور بلوچستان، کردستان اور کراچی کی لسانی اور علیحدگی پسند تحریکوں نے سونے پہ سہاگہ کیا ہے جن سے قدرتی وسائل کی پائپ لائن جیسے اغیار کے مفادات میں رکاوٹ نہیں آرہی لیکن مسلم ممالک ناخواندگی کی طرف دھکیلے جارہے ہیں۔اغیار کی سازشیں رک نہیں رہیں ایسے میں خونی بارڈر کی اصلاحی تجویز کرنل پیٹر کے زرخیز ذہن میں یہ ہے کہ ویٹی کن کی طرح حجاز مقدس دینی مرکز قرار پائے جس میں باری باری مسلم فرقے کنٹرول سنبھالیں-[27]

الغرض خوراج نے ابتداء میں ہی ایسی روش اختیار کی جس سے اسلام کی زور آور قوت کو اشاعت اسلام کیلئے کارآمد بنانے کی بجائے داخلی بحرانوں سے نبٹنے کیلئے استعمال کیا جانے لگا۔ اور اسلام کے دنیا میں بڑھتے بڑھتے قدم تھم گئے۔آج پھر امت مسلمہ لہولہان ہے،خوارج کی طرح کی عصری دہشت گردی اور شدت پسندی کا توڑ علمی و عملی سنت حیدری میں مضمر

[27] Ralph Peters, Bloody Borders, Armed Forces Journal, Springfield, Michael Reinstein, (June 1, 2006):2

ہے۔ جس کی روشنی میں ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے فتاویٰ اور نصاب امن کی طرح کی تحقیقات پیش کی ہیں۔ جن سے استفادہ بہت ضروری ہے۔

ج۔ قرآنی نصوص کی عقلی تفہیم کا فرقہ وارانہ رجحان

اہل تشیع نے خلافت علیؓ کی وصیت رسولؐ کی نص اور باغ فدک کی وراثت وغیرہ جیسے مسائل سے شیعی کلام کی ابتدا کی۔ امامیہ اور زیدیہ کے علاوہ بھی شیعی علم کلام کے کئی مکتبہ فکر ملتے ہیں جنہوں نے اہل بیت کی الوہیت اور امامت میں غلو کے نظریات رائج کرنا چاہے۔ امام حسن عسکریؒ سے منسوب تفسیر حسن عسکری (۲۵۴ھ) کے علاوہ دیگر کتب تفسیر میں مجمع البیان از طبرسی (۵۳۸ھ) شیعہ کی مشہور تفسیر ہے۔ طبرسی نے اللہ کو دیکھنے کی فرمائش کی پاداش میں قوم موسیٰؑ کی موت و بعثت سے جواز رجعت کا استدلال ذکر کیا تھا۔[28] اموی عمال اہل بیت سے معاندانہ رویہ رکھتے تھے جیسا کہ یحییٰ بن معمر حجاج بن یوسف کی محفل میں گئے اور سیدنا حسینؓ کا ذکر خیر کیا جس پر حجاج نے کہا وہ نبی کریمؐ کے بیٹے تو نہیں ہیں۔ یحییٰ نے کہا تو نے جھوٹ کہا ہے جس پر حجاج نے ان کے موقف کے حق میں دلیل مانگی تو انہوں نے آیت مبارکہ تلاوت کی جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے حضرت عیسیٰ کو گنوایا جو بن باپ کے صرف ماں سے تھے تو حجاج نے بات تسلیم کرلی۔ یہ بات محمد حسین طباطبائی نے اپنی تفسیر المیزان میں کچھ ایسے لکھی ہے:

> **دخل يحيى بن معمر على الحجاج فذكر الحسين فقال الحجا ج لم يكن من ذرية النبى فقال يحيى كذبت فقال لياتينى ما قلت بينة فتلا﴿وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ۔ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ۔﴾فاخبر تعالى ان عيسىٰ من ذرية ابراهيم بامه قال صدقت.**[29]

عصر حاضر میں ایران کے اسلامی انقلاب کی وجہ سے حکومتی سطح پر علمی و فکری تحقیق پروان چڑھی ہے۔ فہم نص کی ایک عظیم الشان تحقیق "تفسیر نمونہ" کے نام سے منظر عام پہ لائی گئی ہے۔ جس میں درج ذیل آیت مبارکہ کی تفسیر ایسے کی گئی ہے:

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ-[30]

---

[28] ابو علی الفضل بن الحسن طبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، المجلد الاول (قم: مطبعۃ العرفان، ۱۳۳۳ھ)، ۱۱۵۔

[29] محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القرآن، المجلد السابع (قم: موسسۃ مطبوعاتی اسمٰعیلیان، ۱۳۹۳ھ)، ۲۶۲۔ آیت کریمہ الانعام: ۸۵ ہے۔

[30] البقرہ: ۳۔

پرہیزگار وہ ہیں جو غیب (جس کا حواس ادراک نہیں کر سکتے) پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور ان تمام نعمتوں اور عطیوں میں سے جو ہم نے انہیں بطور روزی دیے ہیں خرچ کرتے ہیں۔

سب سے پہلے قرآن کہتا ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ غیب و شہود ایک دوسرے کے مد مقابل ہیں عالم شہود عالم محسوسات ہے اور عالم غیب ماورائے حس ہے کیونکہ غیب کے معنی اصل میں پوشیدہ و پنہاں چیز کے ہیں۔ امام مہدیؑ ہمارے عقیدے کی بناء پر زندہ وسلامت ہیں اور نگاہوں سے پوشیدہ ہیں۔ آیات زیادہ تر مخصوص مصادیق کیلئے بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں ان مصادیق میں محدود کر دیا گیا ہے بلکہ مذکورہ روایات حقیقت میں ایمان بالغیب کی وسعت اور اس کے امام غائب تک کے شمول کو بیان کرتی ہے یہاں تک کہ کہا جا سکتا ہے کہ ایمان بالغیب ممکن ہے زمانے کے گذرنے کے ساتھ نئے مصداق بھی پیدا کرے۔[31]

تفسیر نمونہ کو ناصر مکارم شیرازی کی زیر نگرانی علماء کی ایک جماعت نے تالیف کیا ہے۔ مندرجہ بالاآیت مبارکہ کی تفسیر میں ناصر مکارم شیرازی ایمان بالغیب کے امام غائبؑ تک کے شمول اور نئے مصداق کاامکان دیکھتے ہیں۔ اسی طرح امام غائب اور آئمہ کی معصومیت شیعہ کے بنیادی عقائد میں شامل ہے۔ شیعہ عصمت کے اس مقام والے عقیدہ امامت کو عقیدہ نبوت کی طرح بطور رکن جزوایمان قرار دیتے ہیں جو گویا من جانب اللہ نبوت کی مانند ایک منصب ہے۔ جس میں ہر امام کی ہونے والے امام کیلئے نص کا ہونا بنیادی شرط ہے۔ ایک اور عصری شیعی فہم نص کاشف الغطاء کی کلامی تالیف ہے۔ جس میں رقم ہے:

انبیاء کی طرح آئمہ بھی معصوم ہوتے ہیں تاکہ امکان خطا باقی نہ رہے۔ فرمان خداوندی عصمت امام کی روشن دلیل ہے:

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِين[32]

اس نے کہا میں تم کو امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے ارشاد ہوا۔ میرے اس عہد پر ظالموں میں سے کوئی فائز نہیں ہو سکتا۔

ایران، شام، عراق میں شیعہ حکومتیں بننے اور یمن میں حوثی شیعہ کی تولیت حجاز کی خواہش لیے حصول اقتدار کو سعودیہ اپنے گرد گھیرا تنگ محسوس کر رہا ہے۔ ایسے میں عرب آمریتوں کو پاکستانی پارلیمنٹ کی ناصبی و رافضی فرقہ واریت کی

---

[31] ناصر مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ جلد اول، ترجمہ۔ سید صفدر حسین نجفی (لاہور: مصباح القرآن ٹرسٹ، ۱۴۱۲ھ)، ۸۸۔

[32] محمد الحسین کاشف الغطاء، اصل واصول شیعہ، ترجمہ۔ سید ابن حسن نجفی (اسلام آباد: البلاغ المبین، ۲۰۰۶ء)، ۹۵۔ آیت مبارکہ البقرہ: ۱۲۴ ہے۔

بجائے اتحاد امت کی تلقین ایک آنکھ نہیں بھا رہی۔ جس سے بھارت پاکستان دشمنی میں سفارتی فوائد سمیٹنے کی تیاری میں ہے۔ سامراجی خواہش ہے کہ قومی سطح پر جہادی و صوفی چپقلش عام کی جائے۔ ایسے میں حق کو ایک مکتبہ فکر میں محصور سمجھنے کی بجائے نیازی فارمولہ دانشمندی ہے کہ اپنا مسلک چھوڑو اور نہ کسی کا مسلک چھیڑو۔ عالمی سطح پر اتحاد امت ہی مسائل کے حل میں مدد و معاون ہو سکتا ہے۔ جس کیلئے مسلم ممالک کے معاشی و عسکری طاقت بننے کی اب زیادہ ضرورت محسوس ہوتی ہے تاکہ آزاد اور متوازن خارجہ پالیسی کی تشکیل ہو سکے۔ پہلے سوویت یونین دہریت لیے مسلم دنیا کو ایک ایک کرکے ہڑپ کرتی جا رہی تھی۔ جس کی وجہ سے پاکستان سمیت مختلف ممالک امریکی بلاک میں شامل رہے جس سے فائدہ اٹھا کر ٹیکنالوجی کے حصول کی کاوشیں کی گئیں۔ تیسری دنیا کا استحصال کرتے سامراج و صیہونیت کے اتحاد کا مقابلہ اب او آئی سی کی فعالیت سے ممکن ہے تاکہ اقوام متحدہ جیسے عالمی فورم پہ انصاف پسند انسانیت کے ضمیر پہ دستک دی جاسکے۔

د۔ قرآنی نصوص کی عقلی تفہیم کا سائنسی رجحان

مغرب میں اصلاح پسندوں کی احتجاجی تحریک سے جدیدیت نے جنم لیا تو جدید تعلیم نے دین کو دھتکار دیا جس سے یہ تاثر عام ہوا کہ دین کو عقل کے دربار میں حاضر ہو کر جوابدہی کرنی پڑے گی۔[33] لادینیت کی اس بڑھتی لہر میں سائنس و ٹیکنالوجی پروان چڑھی تو مغرب نے نوآبادیاتی نظام کے ذریعے مشرقی اقوام پہ چڑھائی کر دی۔ جس سے یہ جدید تعلیم بھی حصول ترقی کیلئے ضروری سمجھی گئی۔ مشرقی ممالک کے آزاد ہوتے ہوتے مغربی نظام تعلیم مستحکم ہوتا گیا۔ اس کی افادیت اس لیے بھی زیادہ سمجھی گئی کیونکہ اقوام عالم میں بلند مقام کے حصول کیلئے یا کم از کم اپنی بقاء کی خاطر اس سے پیچھے رہنا غیر دانشمندی سمجھی گئی۔ مغرب سے ٹیکنالوجی کے حصول اور منتقلی کے عمل میں مغربی رعونت کا دباؤ رہا کہ اس کے ساتھ ساتھ اقدار اور نظریات بھی تسلیم کیے جانے ضروری ہیں۔ ہنٹنگٹن کے بقول جب جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کو اختیار کیا جاتا ہے تو اس فلسفے کو بھی ماننا پڑتا ہے جو جدید سائنس اور ٹیکنالوجی سے جڑا ہوا ہے۔[34]

مسلمانوں کے مشکل دور میں سائنسی نصوص فہمی کا جدید رجحان مسلمانوں میں نمودار ہوا۔ شیخ طنطاوی جوہری ۱۸۷۰ء۔ ۱۹۴۰ء کی تفسیر الجواھر افی تفسیر القرآن اس ضمن میں ایک عمدہ کاوش تھی جس میں سائنسی نظریات کو قرآن مجید کی روشنی میں پرکھا گیا تھا اور اس میں سابقہ کتب کے برعکس قرآن مجید اور سائنس کی ہم آہنگی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ لیکن اس کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ نئے سائنسی نظریات نے جنم لیا اور یہ کاوش از کار رفتہ ٹھہری۔

---

[33] ڈاکٹر جان ولیم ڈریپر، معرکہ مذہب وسائنس، ترجمہ۔ ظفر علی خان (لاہور: پنجاب پبلک لائبریری، ۱۹۹۲ء)، ۴۸۷۔

[34] سیموئیل پی ہنٹنگٹن، تہذیبوں کا تصادم، ترجمہ۔ عبدالمجید طاہر (لاہور: نگارشات پبلشرز، ۲۰۱۳ء)، ۶۱۔

موریس بوکائے کی تحقیقات کو بھی اس ضمن میں پذیرائی ملی۔ شاہ فیصل شہید کے معالج کے طور پہ اور ان کی تحریک پہ انہوں نے قرآن مجید میں تفکر و تدبر کیا۔ قبل ازیں انہوں نے عہد نامہ عتیق وجدید کا تقابل سائنس سے کر رکھا تھا۔ جس کے نتیجے میں وہ ان کی اسنادی حیثیت سے مطمئن نہ تھے۔اور جب ایک سائنسدان کے طور پر انہوں نے سابقہ کتب کا قرآن سے تقابل کیا تو حیرت انگیز طور پر انہوں نے سائنسی حقائق کو اسلامی نظریات کے موافق پایا۔[35]

سورج کی تعداد کے بارے میں پہلے کھوج نہیں لگائی جاتی تھی۔ اور جب ماہرین فلکیات نے کائنات میں کئی سورج دریافت کر لیے تو اسی طرح ایک فاضل سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی نے قرآن اور علم الافلاک نامی اپنی کتاب میں رائے دی کہ سورۃ فرقان میں سِرَجًا کو مفسرین نے سُرُجًا بھی پڑھا ہے جو سراج کی جمع ہے۔جس سے قرآن مجید سے بھی تعدد آفتاب ثابت ہوتا ہے۔[36]

مشہور و معروف ترکی اسلامی سکالر ہارون یحیٰ حشرات الارض سے لے کر جغرافیے اور ساخت زمین میں اپنی کثیر تحقیقات کی وجہ سے نیک نامی رکھتے ہیں۔ انہوں نے مغرب میں عقیدے کے طور پر مانے جانے والے ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا سائنسی حقائق کی روشنی میں رد کیا ہے۔ وہ اپنی تحقیقات میں بر محل نصوص قرآنی پیش کرنے میں تامل نہیں کرتے۔

سلطان بشیر محمود ایٹمی توانائی کے شعبے میں پاکستان کو اقوام عالم میں ممتاز ممالک کی صف میں کھڑا کرنے کیلئے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اس دوران انہوں نے قرآن فہمی کے ذوق کی آبیاری کیلئے قرآن کریم کے اردو تراجم کا بلا تخصیص دبستان مطالعہ کیا اور اپنے سائنسی علوم و تجربات کی روشنی میں "کتاب زندگی" کے نام سے ایک سائنسی تفسیر لکھی۔اس کے علاوہ "قیامت اور حیات بعد الموت" کے نام سے بہت عمدہ تحقیق پیش کی ہے۔آیت مبارکہ کی تفسیر میں ان کا کہنا ہے کہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۔ [37]

بے شک اللہ تعالیٰ نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بھی حقیر تر چیز کی مثال بیان کرے۔

مچھر کا ڈیزائن ، ساخت اور اسکی صلاحیت کا مقابلہ انسان کا ایجاد کردہ بہترین سے بہترین کاپڑ یا جہاز نہیں کرسکتا ہے۔ اپنے سائز کے لحاظ سے اسکی صلاحیت ، حرکت ، سرعت ، رفتاری ، خطرہ کو سونگھنے کی جس ، چابکدستی ، چالبازی ، کم سے کم توانائی استعمال کرکے زیادہ سے زیادہ کارکردگی ، اس کی آنکھیں، دماغ ٹانگیں، آواز غرض ہر چیز کا ڈیزائن ایسا شاہکار ہے کہ اعلیٰ سائنس اور انجیرنگ کے ماہر

---

[35] موریس بوکائے، بائیبل قرآن اور سائنس، ترجمہ۔ ثناء الحق صدیقی (لاہور: نگارشات،۱۹۹۰ء)، ۴۰۲۔

[36] سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی، قرآن اور علم الافلاک (مظفر نگر یوپی: رنگ محل پبلیکیشنز،۱۹۸۷ء)، ۱۳۔

[37] البقرہ: ۲۶

دماغ انہیں ابھی اچھی طرح سمجھ بھی نہیں سکے ۔ حیران کن بات یہ ہے کہ مچھر کی ان سب صلاحیتوں کو اس کا دماغ کنڑول کر رہا ہوتا ہے جو خوردبین کی مدد کے بغیر نظر بھی نہیں آتا، سبحان اللہ کہ اس کی ایک سے ایک بڑھ کر تخلیق ہے۔آیت مبارکہ (البقرۃ:۲۶) ان سب پر غور وفکر کی دعوت دیتی ہے اور یہی سائنس کا کام ہے۔[38]

ر۔قرآنی نصوص کی عقلی تفہیم کا تجدد پسندانہ رجحان

مغربی جامعات میں علوم جدیدہ کی تعلیم کے ساتھ کلیسائی ضرورت کے تحت اسلامیات کے شعبے قائم کیے گئے جن کا تسلسل پوری دنیا میں جاری ہے۔ان تعلیمی اداروں سے فراغت پانے والے طلبہ نے جدید اصول تحقیق کی علمبرداری کو اپنا نصب العین بنایا۔ مستشرقین نے جہاں قرآن فہمی کیلئے اشاریہ جات، معاجم اور مخطوطات کی ایڈیٹنگ کو فروغ دیا وہیں ان کے ہاں قرآن کریم کی نزولی ترتیب سے درجہ بدرجہ اور تدریج سے واقفیت حاصل کرنا بھی شامل ہے۔[39]

گستاووائل اور تھیوڈور نولڈکی اور سر ولیم میور نے اس سلسلے میں جزوی تحقیقات پیش کیں۔ جبکہ قرآنی سورتوں کی ترتیب نزولی سے مکمل قرآن کا ترجمہ کرنے میں راڈول، رچرڈ بیل اور بلاشیر کا کام قابل ذکر ہے۔[40]سابقہ کتب کے برعکس قرآن کریم کی حفاظت رب العلمین نے اپنے ذمہ رکھی تھی اس لیے تحریف کی یہ تدابیر کارگر نہ ہوسکیں۔اس کے علاوہ مستشرقین نے فہم نصوص کیلئے معروضی مکتب اختیار کیا۔جس کے علمبردار ای بیٹی کا اصرار ہے کہ ہمیں سب سے پہلے وہ معنیٰ متعین کرنے چاہیں جو اس ذہن میں تھے جس نے زیر مطالعہ مواد تصنیف کیا۔[41] درست یہ ہے کہ قرآن کریم ذہن رساء (ناطق بالوحی،اکمل ہستی ﷺ) کی تالیف کی بجائے منزل من اللہ ہے۔

مغرب کے برعکس مسلمانوں میں مذہب کی قوت اقتدار پر مبنی نہ تھی بلکہ وسیع علاقوں میں پھیلے ہوئے اہل ایمان کے گروہوں پر منحصر تھی۔[42]اس کا یہ فائدہ ہوا کہ اقتدار سے محرومی سے مسلمان مٹ نہیں گئے۔ مسلمانوں کے سیاسی زوال سے شہ پا کر اس زمانے میں مسیحی مشنریوں نے بھی برصغیر پر یورش کردی جہاں مقامی انگریز افسر پادریوں کی پشت

---

[38] سلطان بشیر محمود،کتاب زندگی۔قرآن حکیم کی سائنسی تفسیر (اسلام آباد:القرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن،۲۰۰۴ء)،۲۶۔

[39] ڈاکٹر فضل الرحمٰن،اسلام اور جدیدیت،ترجمہ۔ محمد کاظم (لاہور: مشعل بکس،۱۹۹۸ء)،۳۱۔

[40] حافظ احمد یار،قرآن وسنت (لاہور: شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب،۲۰۰۰ء)،۳۵۔

[41] ڈاکٹر فضل الرحمٰن،اسلام اور جدیدیت،۱۳۱۔

[42] جے ڈی برنال،سائنس تاریخ کے آئینے میں،ترجمہ۔ساجد رضوی (لاہور: اردو سائنس بورڈ،۱۹۹۷ء)،۲۴۲

پناہی کا سامان بھی کرتے تھے۔[43] وہ پادری اس گمان سے مقبوضہ علاقوں میں جوق در جوق آئے کہ اب مسلمان صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گے۔

اس دوران پانچ نمایاں مسلم تجدید پسند سامنے آئے ہندوستان کے سر سید احمد خان اور امیر علی، جمال الدین افغانی، ترکی کے نامق کمال اور مصر کے شیخ محمد عبدہ۔ وہ مسلمانوں کی ترقی کی خواہش رکھتے تھے اور جدید تعلیم کی طرف رجوع کرنے والی نئی نسل کے ایمان کی بجھتی چنگاری کا تحفظ کرنا چاہتے تھے۔ سر سید نے یہ اصول مد نظر رکھا کہ عقلیت کے دائرے سے باہر کچھ نہ بیان کیا جائے اسی وجہ سے وہ انبیاء کے معجزات کی تاویل میں پڑ گئے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہمارا یقین کامل ہے کہ ورک آف گاڈ اور ورڈ آف گاڈ کبھی مختلف نہیں ہو سکتے۔[44]

سید جمال الدین افغانی نے اتحاد امت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا اور اس کی عملی تشکیل دکھائی نہ دینے پر بڑھاپے میں جانے سے پہلے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اپنے مقصد کے حصول کیلئے انہوں نے قرآنی نصوص اخوت کے حوالے ہر مقام پر دیئے۔ انہوں نے دیگر متجددین کی نیچریت کی مخالفت کرتے ہوئے بتایا کہ یونان کی سرزمین میں طائفہ نیچریہ کا مقصد یہ تھا کہ ادیان ومذاہب کو صفحہ ہستی سے محو کر دیا جائے۔[45] ان کے تلامذہ نے المنار مکتب قائم کیا۔ جس میں سید محمد عبدہ (۱۸۴۸ء تا ۱۹۰۵ء) اور سید رشید رضا (۱۲۸۲ھ تا ۱۳۵۴ھ) نے کونیاتی، سائنسی علوم کی روشنی میں قرآن فہمی اور عصری مسائل کو موضوع بحث بنایا۔[46] انہوں نے جامعۃ الازہر میں تعلیمی اصلاحات پر بہت زور دیا۔ جس کی طرف قدامت پسند انتظامیہ کو آنے میں بہت تحفظات تھے۔

فتنہ انکار حدیث قیام پاکستان سے پہلے کی فکر ہے جو مغرب سے مستعار لی گئی ہے۔ اس کے ایک نئے اسلوب غامدی تحریک نے عالمانہ طرز بیان سے انکار حدیث وسنت کے افکار کا ایک نیا مکتبہ فکر تیار کیا ہے۔ اس دبستان نے علمی خانوادوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لینا شروع کر دیا ہے۔ غامدی دبستان میں عقلیت پسندی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ سید خالد جامعی رقمطراز ہیں:

> غامدی صاحب کا مکتب فکر سنت کو ماخذ قانون تسلیم نہیں کرتا، وہ اجماع کو ماخذ قانون تسلیم نہیں کرتا، عقل وفطرت کو ماخذات دین کے طور پر قبول کرتا ہے، وہ نصوص کی تعبیر وتشریح میں تنوع، رنگارنگی اور تغیرات کا قائل ہے۔ غامدی صاحب نے میزان میں صاف لفظوں میں لکھ دیا ہے کہ

---

[43] قدرت اللہ شہاب، شہاب نامہ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ۱۰۴۔

[44] سر سید احمد خان، مقالات سر سید حصہ چہارم، مرتبہ۔ محمد اسمٰعیل پانی پتی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۳ء)، ۶۲۔

[45] چوہدری زاہد، سر سید احمد خان (لاہور: ادارہ مطالعہ تاریخ، ۱۹۹۹ء)، ۲۱۷۔

[46] ابو سفیان اصلاحی، "تفسیر المنار تحلیل وتجزیہ" علوم القرآن، شمارہ۔ ا (۲۰۰۴ء): ۲۲۷۔

> سنت دین ابراہیمی کی روایت ہے اور سنت صرف وہی چیز ہو سکتی ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے دین ہو سنت کا تمام تر تعلق عملی زندگی سے ہے۔ علم و عقیدہ، تاریخ شان نزول اور اس طرح کی چیزوں کا سنت سے کوئی تعلق نہیں۔[47]

یہ مکتبہ فکر متجددین کی ارتقائی شکل ہے جو فراہی و اصلاحی تدبر قرآنی تحریک سے خود کو مربوط کرتا ہے بلکہ جاوید غامدی نے گویا اس تعلیمی فکر کو ہائی جیک کر لیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ متجددین نصوص کی تاویل سے افکار مغرب کی راہ ہموار کرنے میں جتے ہیں۔ علامہ اقبال کہتے ہیں :

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجدید مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ[48]

روشن خیالی، سیکولرازم، لبرل ازم جیسے جدید افکار اسلامی معاشروں میں سرایت کر رہے ہیں۔ ایسے میں حکومتوں کی عدم دلچسپی کی بدولت تعلیم اور قانون سازی میں اسلامی اصولوں کے مطابق پیشرفت نہیں ہو پا رہی۔ استعمار نے مسلمانوں کے تعلیمی اوقاف کے ضبط سے جامعات کا خاتمہ کرنے کی ٹھانی تھی جو اس دور کی بیوروکریسی تیار کرتے تھے۔ علمائے کرام نے تحفظ دین کیلئے دارالعلوم قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اور تب مدارس نے طے کیا تھا کہ فرنگی مراعات نہ لی جائیں گی۔ آزاد مسلم حکومتوں کے قیام سے ملکی و بین الاقوامی عصری حالات اور ہر فرد تک ہدایت پہنچانے کی ذمہ داری ادا کرنے کیلئے اب مدارس میں دورر س اصلاحات کی ضرورت ہے۔ اور اس مقصد کیلئے بین الاقوامی زبان اور مغربی افکار سے آگاہی ضروری ہے۔

س۔ انکار حدیث کا قرآنی نصوص کی عقلی تفہیم کا رجحان

فہم قرآن کے اس فتنہ انگیز رجحان کی بنیاد سب سے پہلے خوارج نے رکھی تھی۔ بعض لوگوں نے احادیث مبارکہ میں بیان کردہ رجم کے انکار کی وجہ سے ان کی تکفیر کی ہے۔[49] دور جدید میں مستشرقین نے اس طرف توجہ دی۔ ان میں انکار حدیث کی بنیاد یہودی مستشرق گولڈزیہر نے اس سوال کے ذریعہ رکھی کہ سیرت نگاری کیلئے احادیث پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟[50] گولڈزیہر کے بعد جوزف شاخت نے اس تحقیق کو وسیع کرتے ہوئے اس کا دائرہ فقہ تک بڑھایا۔

---

[47] جامعی، سید خالد، "اسلام اور فکر مغرب" البرہان لاہور، شمارہ۔ ۱۲ (۲۰۱۳ء)، ۴۴۔

[48] علامہ محمد اقبال، ضرب کلیم (لاہور: ذکاء پبلشرز، س ن)، ۷۰۔

[49] ولی حسن ٹونکی، عظیم فتنہ (کراچی: دار الاشاعت، ۱۹۸۴ء)، ۲۲۔

[50] عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی، اسلام اور مستشرقین حصہ دوم (اعظم گڑھ: دار المصنّفین)، ۳۸۔

اہل قرآن کہلانے والوں کے بقول تفسیر القرآن بالقرآن کا طریقہ مولوی عبداللہ چکڑالوی (۱۹۱۸ء) نے جاری کیا۔[51] غلام احمد پرویز (۱۹۰۳ء - ۱۹۸۵ء) نے طلوع اسلام مجلے کا از سر نو آغاز کیا تھا جس میں حسبنا کتاب اللہ، عجمی سازش، نظریہ ارتقاء، معاملات مردوزن، مرکز ملت، قرآنی نظام ربوبیت نمایاں نظریات پیش کیے گئے۔[52] طلوع اسلام میں ہے:

> صحاح ستہ کے جامعین سب ایرانی ہیں ان میں عرب کوئی نہیں۔ یہ تیسری صدی ہجری میں مرتب کی گئیں۔انہوں نے لاکھوں میں سے تھوڑی صحیح سمجھیں۔ لوگوں نے انہیں رواتیں زبانی سنائیں تحریری ثبوت نہ دیئے۔ مرتبین نے ذاتی بصیرت سے ان میں سے انتخاب کیا۔ یہ روایت بالمعنی ہیں الفاظ آپ ﷺ کے نہیں ہیں۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو کا عقیدہ بنایا گیا۔ قرون اولیٰ کوائف جاننے کیلئے مسلمانوں میں مشہور روایات کو مسالہ بنایا گیا اور آپ ﷺ سے منسوب کیا گیا۔ ان مجموعوں کا نام احادیث بمعنی باتیں ہے۔ امام اعظم نے تدوین فقہ میں ان سے بہت کم مدد لی۔[53]

ان لوگوں کی دیدہ دلیری کا یہ عالم ہے کہ ان کے ہاں محدثین کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ صحاح ستہ کے جامعین عجمی ہیں۔ اپنے اس رجحان کو اسلاف سے منسوب کرنے کیلئے ان کا مزید کہنا ہے کہ امام اعظم نے تدوین فقہ میں احادیث مبارکہ کو نظرانداز کیا۔

ایک آیت مبارکہ میں آیا ہے:

> وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔[54]
>
> اور کافروں کی مثل اس شخص کی سی ہے جو ایسی چیز کو پکارتا ہے جو سنتی نہیں، بس دعا اور پکار رہ جاتی ہے۔ وہ گونگے، بہرے، اندھے ہیں، عقل نہیں رکھتے۔

مندرجہ بالاآیت مبارکہ کی تفہیم غلام احمد پرویز نے یوں کرائی ہے:

> مذہبی پیشواؤں ان کے پیچھے چلنے والوں (مقلدین) کی مثال یوں سمجھئے کہ بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ ہے جس کے پیچھے چرواہا ہے۔ چرواہے نے اپنے بڑے بوڑھوں سے کچھ الفاظ یاد کررکھے ہیں بلا مطلب۔ وہ یہ آوازیں نکالتا اور ان الفاظ کو دوہراتا رہتا ہے۔ اور بھیڑ بکریاں جوان آوازوں پر لگی ہوتی

---

[51] خواجہ ازہر عباس، قرآن فہمی کے قرآنی قوانین (لاہور: مثال پبلشنگ ہاوس، ۲۰۰۱ء)، ۷۔

[52] عبدالرحمٰن گیلانی، آئینہ پرویزیت (لاہور: مکتبۃ السلام، ۱۹۹۴ء)، ۱۵۳۔

[53] ملک منظور حسین لیل، "پرویز صاحب کا نظریہ حدیث وسنت" طلوع اسلام، شمارہ۔۹ (۲۰۱۴ء): ۲۲۔

[54] البقرہ: ۱۷۱۔

ہیں ۔ ان کے مطابق ادھر ادھر مڑتی رہتی ہیں ۔ نہ چرواہے کو اس کا علم ہوتا ہے کہ ان آوازوں کا منطوق اوران الفاظ کا مفہوم کیا ہے اور نہ ہی وہ بھیڑ بکریاں ان آوازوں کا مطلب سمجھنے کی اہل ہوتی ہیں ۔ یہ ہیں تقلید آباء کرنے والے ۔ بہرے ، گونگے ، اندھے ، عقل وفکر سے کام نہ لینے والے ، (اولئک کالانعام) یہ انسان نہیں حیوان ہیں ۔ (بل ھم اضل) بلکہ ان سے بھی گئے گزرے کہ حیوان تو معذور ہوتے ہیں کیونکہ انہیں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی حاصل نہیں ہوتی اور یہ انسان نما حیوان ان صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں ۔ حیوانوں کی روش اختیار کئے رہتے ہیں ۔[55]

غامدیت اور پرویزیت کے فہم نصوص کے متجددانہ مکتبہ ہائے فکر کا احوال بتاتے ہوئے زاہد الراشدی نے ان کا جو باہمی فرق بیان کیا ہے اس کی تلخیص یہ ہے۔

پرویز دبستان لغت جبکہ غامدی مکتبہ فکر ادب جاہلی کو فہم قرآن تک رسائی کے ذرائع معاون میں شمار کرتا ہے ۔ نبی کریم ﷺ متکلم کے نمائندہ ہیں جس کی منشاء تک رسائی کا آپ ﷺ ہمارے لیے واحد ذریعہ ہیں ۔ متن میں اتھارٹی قبول کر لینے کے بعد اسکی تعبیر میں آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ اور ارشادات کو معیار تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے ؟[56]

ص۔ قادیانیت کا قرآنی نصوص کی عقلی تفہیم کا باطل رجحان

کلمے کی قدر کم کرنے کیلئے نوآبادیاتی دور میں تبشیری فلاحی سرگرمیوں، میسونی کلب کی کارستانیوں کے علاوہ احمدیت، بہائیت اور ذکری فرقوں کے قیام کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۳۵ء۔۱۹۰۸ء) کی رسالت کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ یہ رسالت کوئی الگ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ہی رسالت ہے ۔ جیساکہ مرزا بشیر الدین محمود اپنی تالیف تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں:

"چونکہ لوگوں نے آپؐ کی تعلیم کو بھلادیا تھا اوراس پر عمل نہیں کرتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے بروز محمد ﷺ کو بھیجادیا۔ پس یہ رسالت کوئی الگ نہیں بلکہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی ہی رسالت ہے ۔ اور اگر ضرورت کے ماتحت ،ایسے کئی نبی بھی آجائیں تو کوئی ہرج نہیں کیونکہ ان کے ذریعے کوئی نیا دین جاری نہیں ہوگا۔ بلکہ محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا دین ہی زندہ ہوگا۔ بہرحال (

---

[55] غلام احمد پرویز، ۱۹۷۹ء، مطالب الفرقان (لاہور: ادارہ طلوع اسلام، ج ۳)، ۱۴۰۔

[56] زاہد الراشدی، ایک علمی وفکری مکالمہ (گوجرانوالہ: الشریعہ اکیڈمی، ۲۰۰۷ء)، ۱۸۷۔

رسولا) کالفظ بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو الہام سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ایک عظیم الشان رسول معبوث ہونے والا ہے۔"[57]

قادیانیت کو پروان چڑھانے میں ایک مقصد یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد کا خاتمہ کیا جائے تاکہ استعمار کے استحصال کی مزاحمت نہ رہے۔ چنانچہ جہاد کی منسوخی کیلئے مرزا قادیانی نے تاویل نص یوں کی:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۔ [58]

اجازت دی گئی ان لوگوں کو جو قتل کیے جاتے ہیں کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

"مگر یہ حکم مختص الزمان والوقت تھا ہمیشہ کیلئے نہیں تھا۔۔۔ لیکن افسوس کہ نبوت اور خلافت کے زمانے کے بعد اس مسئلہ جہاد کے سمجھنے میں جس کی اصل جڑ آیت کریمہ مذکورہ بالا ہے لوگوں نے بڑی غلطیاں کھائیں اور ناحق مخلوق خدا کو تلوار کے ساتھ ذبح کرنا دینداری کا شعار سمجھا گیا اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ عیسائیوں کو تو خالق کے حقوق کی نسبت غلطیاں پڑیں اور مسلمانوں کو مخلوق کے حقوق کی نسبت یعنی عیسائی دین میں تو ایک عاجز انسان کو خدا بنا کر اس قادر قیوم کی حق تلفی کی گئی جس کی مانند نہ زمین میں کوئی چیز ہے نہ آسمان میں اور مسلمانوں نے انسانوں پر تلوار چلانے سے نبی نوع کی حق تلفی کی اور اس کا نام جہاد رکھا۔"[59]

۱۹۵۳ء میں پاکستان میں ختم نبوت کی تحریک چلی اور بالآخر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں انہیں ان کے عقائد کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا۔ حالات کو بھانپتے ہوئے موجودہ احمدی خلیفہ مرزا مسرور احمد نے یہ تحریک تبشیری سکیم میں بدل دی ہے۔ خفیہ سرگرمیوں سے اپنے پروگرام کو جاری رکھنے کی یہ مرتب کردہ پالیسی بہت زیادہ خطرناک ہے۔ جس کے تدارک کیلئے حکم صدیقی پہ عمل پیرا اصحابہ کرام کی طرح چوکنارہ کر پہرہ داری کی ضرورت ہے۔ کیونکہ طاغوتی یلغار کے متنبیت والے محاذ میں مسیلمہ کذاب نے پہلا حملہ کیا تھا جس کی انتہاء مسیح موعود کے Rapture کی ڈرامائی تشکیل کے کردار دجال کذاب سے معرکہ آرائی ہے جو ورسٹائل اداکاری کرتے ہوئے ابن اللہ سے (قم باذن اللہ ترک کرکے قم باذنی سے) الوہیت کی جانب بڑھے گا۔ حق و باطل کا ازلی وابدی معرکہ رکنے کا نام نہیں لیتا کہ دھرنے دے کر یا نعرے لگا

[57] مرزا بشیر الدین محمود، تفسیر کبیر جلد دوم (ربوہ: نظارت اشاعت، ۱۹۶۲ء)، ۱۸۶۔

[58] الحج: ۳۹

[59] مرزا غلام احمد قادیانی، گورنمنٹ انگریزی اور جہاد، روحانی خزائن (ربوہ: نظارت اشاعت، ۲۰۰۸ء)، ٦۔

کر طویل عرصے کیلئے فتنے سے اطمینان پالینے کی خام خیالی کی جائے۔جب کہ رسالت ماب ﷺ امت مسلمہ کی کفایت کے لیے کمر بستہ ہو کر تمام انبیائے کرامؑ کی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلسل دعائے پناہ فرماتے رہتے تھے۔